حضرت خنساء

عرب کی بہترین مرثیہ گو شاعرہ

جناب مولوی حافظ سید رشید احمد صاحب ارشد ایم اے

حضرت خنساء ایام جاہلیتِ عرب کی وہ مشہور مرثیہ گو شاعرہ تھیں جنھیں بعض جلیل القدر ادبا نے عہدِ جاہلیت کا بہترین شاعر تسلیم کیا ہے۔ آپ نہ صرف مرثیہ گوئی میں یکتائے روزگار ہیں بلکہ عرب کی دنیائے شاعری میں لاثانی مرتبہ رکھتی ہیں۔ اگر ان کے دونوں بھائی میدانِ جنگ میں مارے نہ جاتے تو انھیں دنیائے شاعری میں لاجواب عروج حاصل نہ ہوتا۔ درحقیقت ان کی شاعری ان کے دونوں بھائیوں کی موت کا ایک المناک مرثیہ ہے جسے وہ تمام عمر الاپتی رہیں۔

ابتدائی حالات خاتون موصوف کی ولادت و وفات میں بہت اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کی پیدائش عہدِ اسلام سے پہلے ہوئی تھی۔ تاہم جدید ترین تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ ۵۷۵ء میں پیدا ہوئیں اور ۶۶۵ء مطابق ۴۵ھ میں نوّے سال کی عمر میں حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں فوت ہوئیں۔

ان کا اصلی نام تماضر بنت عمرو بن الحارث تھا۔ ان کا خاندان آل الشرید کہلاتا تھا۔ جو جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قبیلہ بنو سلیم کی شاخوں میں نہایت ممتاز رہا ہے۔

حضرت خنساء حسن و جمال میں اپنے زمانے کی خواتین سے کسی طرح کمتر نہ تھیں۔ آپ عمر میں اپنے بھائی معاویہ اور صخر دونوں سے چھوٹی تھیں۔ بھائی بہنوں میں اس قدر محبت تھی کہ بھائیوں کے قتل کے بعد بہن نے تمام عمر آہ و بکا کو نہ چھوڑا۔

جب آپ بیس برس کی ہوئیں تو آپ کی لیاقت اور فہم و ذکا کا چرچا سن کر قبیلہ بنو جشم کے

سردار درید بن الصمہ نے جو مشہور شاعر اور زبردست شہسوار تھا۔ نکاح کی درخواست کی۔ خنساء کے والد ماجد نے اپنی صاحبزادی سے اس بارے میں مشورہ لیا لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا "میں اپنے چچیرے نوجوان بھائیوں کو چھوڑ کر ایک بڈھے کھوسٹ سے نکاح نہیں کر سکتی" چونکہ عرب میں والدین لڑکیوں کی رضامندی کے بغیر شادی نہیں کیا کرتے تھے۔ اس بنا پر یہ شادی نہ ہو سکی۔

ازدواجی زندگی سب سے پہلے آپ کی منگنی رواحہ بن عبدالعزیٰ اسلمی سے ہوئی تھی لیکن نکاح سے پہلے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ کی شادی عبدالعزیٰ سے ۵۹۳ء میں انجام پذیر ہوئی۔ ان سے ایک لڑکا ابو شجرہ عبداللہ پیدا ہوا یہ لڑکا بڑا جنگجو اور بہادر تھا۔ اس نے یوم حوزۃ الثانی میں اپنے ماموں صخر کے ساتھ دشمنوں سے بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور دادِ شجاعت حاصل کی تھی۔

عبدالعزیٰ کے انتقال کے بعد آپ کی دوسری شادی مرداس بن ابی عامر اسلمی سے ہوئی جو آپ ہی کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس رشتۂ مناکحت سے مندرجہ ذیل لڑکے اور لڑکیاں تولد ہوئیں۔

یزید، معاویہ۔ حزن۔ عمرو۔ سراقہ۔ اور عمرۃ۔

اسلامی عہد ۸ھ میں عرب کے قبیلے جوق در جوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اسلام لانے کے لئے آتے تھے۔ اس سلسلے میں بنو سلیم کا بھی ایک وفد جس میں حضرت خنساء اور ان کا سوتیلا بھائی عباس بن مرداس بھی شامل تھے حاضر ہوا اور سب ارکانِ وفد دائرۂ اسلام میں آ گئے۔

حضرت خنساء کے دو بھائی معاویہ اور صخر اسلام قبول کرنے سے پیشتر عہد جاہلیت کی خانہ جنگیوں میں قتل ہو گئے تھے اس لئے آپ تمام عمر ان کے ماتم میں سوگوار رہیں۔ چونکہ بچپن ہی سے آپ کو اپنے بھائیوں کے ساتھ بیحد محبت تھی اور وہ بھی آپ کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے تھے اس لئے قدرتی طور پر آپ کے قلب پر ان کی موت کا صدمہ اس قدر جاگزیں ہوا کہ تمام عمر آپ کی آنکھیں ان کے غم میں اشکبار رہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود نوحہ وبکا کو نہ چھوڑ سکیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں چند لوگوں نے آپ کی شکایت حضرت عمر فاروقؓ سے کی اور حضرت عمرؓ نے انھیں اس قدر چیخنے چلانے اور ماتم کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ نے کلیۃً اشکباری سے رکنے میں اپنی معذرت ظاہر کی تاہم

ماتم اور نوحہ کے دیگر لوازم مثلاً منہ پر تھپیڑ مارنا، سر اور بال نوچنا ترک کر دیئے تھے۔

مجاہدانہ خدمات | عہدِ اسلام میں حضرت خنسار کا زبردست کارنامہ یہ ہے کہ آپ عہدِ اسلام کی اہم ترین جنگ قادسیہ میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوئیں اور اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی خاطر اسی جنگ میں ایرانیوں کے مقابلے میں شریک ہو کر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ آپ کے چاروں لڑکوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ اس جنگ میں نہایت جوانمردی کے ساتھ لڑے اور شہید ہو گئے۔ جب آپ کو اپنے لڑکوں کی شہادت کی خبر ملی تو بجائے رنجیدہ ہونے کے آپ نہایت خوش ہوئیں اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اپنے لڑکوں کے ذریعہ سے آخر وقت میں اسلام کی خدمت کر سکیں۔ آپ کے اس جذبۂ اسلامی کی بنا پر عہد اسلامی میں بھی آپ کا رتبہ بلند ہو گیا اور آپ قرونِ اولیٰ کی بہادر صحابیات میں شمار ہوتی تھیں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ بھی آپ کے اس فعل سے بہت خوش ہوئے اور اپنی مدتِ خلافت تک آپ کے چاروں لڑکوں کا وظیفہ جو آٹھ سو درہم ہوتا تھا صرف آپ کی ذات کو دیتے رہے تھے۔

وفات | کثرت نوحہ و بکا اور بڑھاپے سے حضرت خنسار بہت ضعیف ہو گئی تھیں۔ آخر عمر میں آپ لاٹھی کے سہارے چلتی تھیں، سر کے بال تمام گر گئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے سر منڈایا ہوا ہے۔ آخر عمر میں آپ نے اپنی لڑکی عمرہ کی شادی کی رسم ادا کی تھی۔ اس خوشی کے بعد آپ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں اور حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں ۶۶۴ء مطابق ۴۵ھ میں آپ اس دارِ فانی سے رحلت کر گئیں۔ آپ کی اولاد آل الشرید کہلاتی تھی اور مشہور اسلامی مورخ ابنِ خلدون ذکر کرتا ہے کہ آل الشرید بعد کے زمانہ میں افریقہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور مورخ مذکور کے زمانے تک ان کی نسل نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کرتی تھی۔

اشعار کی ترتیب | ایامِ جاہلیت میں اشعار کے لکھنے کا رواج نہ تھا۔ بلکہ ہر قبیلے کے افراد اپنے باکمال شعرا کے اشعار زبانی یاد رکھتے تھے اور انہیں اپنا قومی سرمایہ سمجھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل عہدِ جاہلیت کے اشعار کا کافی ذخیرہ محفوظ ملتا ہے۔ چونکہ حضرت خنسا قبیلۂ بنو سلیم سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے اس قبیلہ نے آپ کے اشعار کو محفوظ رکھا اور یہ سلسلہ روایت در روایت ادبار، شعرار

اور سخن سنجوں کی جماعت میں پھیل گیا۔ اسلامی عہد میں اگرچہ آغاز میں آپ کا دیوان باقاعدہ مرتب نہیں ہوا۔ لیکن عربی ادب کی کتابوں اور اشعار کے مجموعوں میں آپ کے اشعار اور مرثیے بکثرت شامل کیے گئے یہاں تک کہ آٹھویں صدی میں ادبا، اور فضلائے ادب نے آپ کی شاعری کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کی انھوں نے دیوان خنسا کو باقاعدہ مرتب کیا اور باکمال ادیبوں نے اس کی شرحیں لکھنی شروع کیں۔ جس طرح کہ دوسرے شعرا کے دیوانوں کی شرحیں مرتب کی گئی تھیں۔ ان شارحین میں ابن السکیت، ابن الاعرابی اور ثعالبی جیسے مشہور ادبا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

خوش قسمتی سے ان ادبا کی شرحیں دیوانِ خنسا کے دو قلمی نسخوں میں دستیاب ہوگئیں اور ان سے بیروت کے مشہور ادیب شیخو لوئیس کو اپنی شرح "انیس الجلسار فی شرح دیوان الخنسار" مرتب کرنے میں بہت مدد ملی۔ انھوں نے شاعرہ موصوفہ کے دیوان کو زیورِ طبع سے آراستہ کیا اور ۱۸۸۸ء میں سب سے پہلے دنیا کو بے نظیر شاعرہ سے روشناس کرایا۔ بعد ازاں مصر میں بھی شاعرہ موصوفہ کا دیوان چھاپا گیا۔

اہل یورپ کی قدردانی | حیرت ہے کہ مشرق سے زیادہ مغرب نے آپ کی قدر کی اور فرانسیسی زبان میں ڈی کوپیر (Decoppier) نے دیوان کا ترجمہ بیروت میں ۱۸۸۹ء میں شائع کیا تھا۔ یہ ترجمہ دلچسپ اور عمدہ طرز پر تحریر شدہ تھا۔ اس ترجمہ کے علاوہ مستشرقین یورپ نے حضرت خنسار کی شاعری اور سوانح حیات پر کئی دلچسپ کتابیں تحریر کیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور تصنیف جی گبریالی (G. Gabrieli) کی ہے جو اطالوی زبان میں بمقام فلورنس ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ روڈو کاکیس (N. RhodoKaKis) نے ۱۹۰۴ء میں حضرت خنسار کے متعلق ایک کتاب شائع کی۔

خنسار کی شاعری | عربی زبان کا مشہور ادیب مبرد خنسار کے متعلق قمطراز ہے۔

"سب سے بہتر مرثیہ وہ ہے جس میں مرنے والے پر اظہارِ رنج کے ساتھ ساتھ مدح بھی ہو اور اگر ان اشعار کو فصاحت و بلاغت اور موثر طریقے سے ادا کیا جائے تو ایسا مرثیہ شاعر کا انتہائی کمال ہے اس معیار پر حضرت خنسار کا مرثیہ پوری طرح اترتا ہے:"

حقیقت یہ ہے کہ شاعرہ موصوفہ کے مرثیے دلی رنج والم کے گہرے تاثرات کی صحیح تصاویر اور انسانی جذبات کے آئینہ دار ہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صنفِ نسواں میں قدرت نے یہ ملکہ ودیعت کر رکھا ہے کہ وہ اپنے اندرونی جذبات وخیالات وعواطف کو مؤثر طریقہ سے ادا کر سکیں ان کا شیشۂ دل اس قدر نازک ہوتا ہے کہ ذرا سی بات پر اسے ٹھیس لگتی ہے اور ان کے احساسات و جذبات مجروح ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صنفِ لطیف جب شعر وادب کے میدان میں آئی ہیں تو نہایت کامیاب ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں عرب کی یہ خاتون جنھیں ہم قارئینِ کرام سے روشناس کرا رہے ہیں۔ کیسے خاموش رہ سکتی تھی جبکہ عرب کا ذرہ ذرہ شعریت کا منظر تھا اور ان کے نازک شیشۂ دل پر وہ چوٹ لگی ہو جو بقول اس کے کسی نے نہیں کھائی ہے۔ ان کے دل میں رنج وغم کا ایک طوفان موجزن تھا۔ جو تمام عمر اشکباری پر بھی تھم نہ سکا، اور آخر میں ان کی جان لیکر رخصت ہوا۔ ان کے اشعار دردناک اور مجروح دل کی ایک فریاد ہے وہ بے شبہ ہماری آنکھوں کے سامنے ان کے بھائیوں کے صفات واخلاق کی مکمل تصویریں پیش کرتے ہیں اسی وجہ سے دوسرے مرثیہ گو شاعروں کے برخلاف ان کے مرثیے تصنع اور تکلف سے پاک ہیں اور اس قدر موثر ہیں کہ جب انسان انھیں اصلی زبان میں پڑھتا ہے تو وہ اس کے دل پر تیر ونشتر کی طرح چبھتے ہیں۔ خنساء عربی زبان کی غالباً سب سے پہلی مرثیہ گو شاعرہ ہیں۔ ان سے پہلے مہلہل شاعر ایسا گذرا ہے جس نے چند مرثیے کہے ہیں۔ لیکن اسے باقاعدہ مرثیہ گو شعرا کی صف میں جگہ نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے عربی مرثیہ گوئی کے بانی کی حیثیت سے انھوں نے فطری اور پُر اثر شاعری کی بنیاد ڈالی جو آنے والے عربی شعرا کے لئے چراغِ ہدایت ثابت ہوئی۔

ابتدائی عربی شاعری میں بہت مدت تک فطرتی اور جذباتی رنگ جھلکتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب عربوں نے یونان اور روما کے فلسفے کو رواج دیا اس وقت انھوں نے یونانی اور لاطینی شاعری کو ہاتھ تک نہیں لگایا کیونکہ عربوں کے پاس ایسا ذخیرۂ ادب موجود تھا جس میں فطرتِ انسانی کی سادہ مگر صحیح طریقے سے ترجمانی کی گئی تھی اور وہ یونانی اور لاطینی شاعری کی صنم پرستی اور خرافات

قصوں سے پاک وصاف تھا۔ خنسار کے بعد عربی زبان وادب اور شاعری میں بہت ترقی ہوئی۔ اور عربی زبان بدوؤں اور صحرا نشینوں کی زبان سے ایک مہذب اور شائستہ قوم کی زبان بن گئی تھی۔ مرثیہ گوئی اور دوسری اصناف شاعری میں کافی ترقی ہوئی مگر خنسار کی سادہ اور پُردرد شاعری بہت کم شاعروں کو نصیب ہوئی

لیلی الاخیلیہ سے مقابلہ

بعض لوگوں نے جن میں مشہور ادیب اصمعی اور ابوزید بھی شامل ہیں۔ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ لیلی الاخیلیہ جو اسلامی عہد کی مشہور شاعرہ خاتون تھیں حضرتِ خنسار سے جمالِ شعری، سلامت و روانی اور تخیلات میں بڑھی ہوئی ہیں۔ ان کا یہ خیال ایک حد تک درست بھی ہے کیونکہ خنسار کے زمانے میں عربی شاعری ابتدائی حالت میں تھی۔ خیالات کی وسعت وفراوانی، سلاست وروانی اس قدر نہ تھی جو اسلامی عہد میں پیدا ہوئی اور اس کے علاوہ وہ زمانہ عہدِ جاہلیت کا تھا اور ماحول بھی بہت محدود تھا ان حالات میں خنسا کی شاعری میں وہ خصوصیات نہیں پیدا ہو سکتی تھیں جو لیلی الاخیلیہ سے مختص ہیں تاہم حضرت خنسار کی سادہ اور پُراثر شاعری کا جواب ان کے پاس بھی نہیں تھا۔

نمونہ کلام

قارئینِ کرام کی معلومات اور تفننِ طبع کے لئے ہم حضرت خنسار کے منتخب اشعار کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ خنسار کا سوز وگداز جو اصل زبان میں موجود ہے ترجمہ میں پیدا نہیں ہو سکیگا۔

۱۔ اے میری آنکھو آنسو نہ بہاؤ اور رونا بند نہ کرو تم میرے فیاض بھائی صخر پر کیوں آنسو نہیں بہاتی ہو؟ کیا تم اس بہادر خوبصورت نوجوان سردار کے لئے نہیں روؤگی جو قدآور اور شریف خاندان والا تھا اور نوعمری ہی میں اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا تھا۔ جب کوئی قوم بزرگی اور شرافت حاصل کرنے کے لئے مستعد ہوتی تھی تو وہ بہت پہلے اپنا ہاتھ بڑھاتا تھا اور ان سب سے بڑھ چڑھ کر کمال حاصل کرتا تھا۔ اس کی قوم مصیبت کے وقت اسے بلاتی تھی۔ اگرچہ وہ سب سے نوعمر تھا۔ لیکن شرافت کا سہرا اسی کے سر رہتا تھا وہ بہترین کام یہی سمجھتا تھا کہ قابلِ فخر کارنامے سرانجام دے۔

۲۔ ایک دفعہ حضرت خنسار نے فاختہ کو چلاتے دیکھا فوراً ان کا غم تازہ ہو گیا اور بیساختہ یہ اشعار زبان پر لائیں

مجھے صخر یاد آیا جب فاختہ ایک درخت پر نالہ وفریاد کر رہی تھی اس کی آواز سن کر میں غم کے آنسو بہانے لگی اور

اس کے درمیان قبر کے بڑے بڑے پتھر اور جنگل حائل ہیں۔"

"اے آنکھ تو اس قدر نہ رو کہ آنسو خشک نہ ہو سکیں اور میری یہ آنکھیں اشکوں سے لبریز رہیں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ زمانے کا تیر خطا نہیں جاتا اور جسے زمانے نے ہلاک کر دیا ہو وہ لوٹ کر نہیں آتا۔"

"اگر صخر جیسا فیاض آدمی قبر میں آسودہ ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ دنیا میں تو نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت کا مالک تھا۔ (کمال حاصل کر گیا)

خزانہ ادب کی روایت ہے کہ مشہور شاعر جریر سے دریافت کیا گیا "سب سے بڑا شاعر کون ہے" اس نے جواب دیا "اگر خنساء نہ ہوتی تو میں ہوں"۔ لوگوں نے پوچھا وہ کس بات میں تم سے بڑھی ہوئی ہے اس نے کہا ان اشعار سے جن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

۳۔ بے شک زمانہ جس کے عجائبات بے انتہا ہیں، ہمارے لئے برائی چھوڑ دیتا ہے اور نالائق اور بیوقوف لوگ تو زندہ رہتے ہیں ہمیں عقلمند لوگوں کی موت کے رنج کا داغ دیا جاتا ہے۔ اس سرزمین میں صرف ان کے سر اور قبریں باقی رہتی ہیں۔ سروں میں سے پرندہ نکل کر ان کے انتقام کے لئے چلاتا رہتا ہے (پرانے عربوں کا عہدِ جاہلیت میں یہ عقیدہ تھا کہ مقتول کے مرنے کے بعد اگر اس کا انتقام نہ لیا جائے تو ایک پرندہ جو غالباً منحوس اُلّو ہوتا ہے، کھوپری میں سے نکلتا ہے اور اس کی قوم کو انتقام پر ابھارتا ہے وہ یہ چلاتا ہے "مجھے سیراب کرو" اور جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے وہ چلاتا ہی رہتا ہے۔ یعنی انتقام لینے پر جاہلیت کے عربوں کے عقیدے کے مطابق اسے سیرابی ہوتی ہے اور اس وقت وہ خاموش ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے)۔

"دن اور رات میں انقلاب ہوتا رہتا ہے لیکن یہ فنا نہیں ہوتے مگر انسان فنا ہو جاتا ہے"

چونکہ ان اشعار میں گہرے فلسفیانہ خیالات کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس لئے جریر نے انھیں بہت پسند کیا مندرجہ ذیل اشعار اس کے آخری قصیدے سے ماخوذ ہیں جو انھوں نے اپنے بڑے بھائی صخر کے مرثیہ کے طور پر تحریر کئے۔

"جب شام ہوتی ہے تو مجھے تمام رات اس کی یاد بیدار رکھتی ہے اور جس وقت صبح ہوتی ہے

اس وقت بھی میں صخر کے ماتم میں مشغول نظر آتی ہوں۔ صخر کون ہے؟ صخر وہ شخص ہے جو میدانِ جنگ اور نیزہ باری کے وقت کام آیا کرتا تھا جو ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی حمایت کیا کرتا تھا۔ وہ زمانے کی مصیبتوں پر غالب رہا کرتا تھا۔ اور بڑی بڑی گتھیوں کو بلا نزاع سلجھا دیا کرتا تھا۔ رات کے وقت آنے والے مہمان یا پناہ لینے والے مسافر، جن کے خوفزدہ دل ہر گھنٹی کی آواز پر کانپ جایا کرتے تھے۔ اس کے مہمان ہوتے تھے۔ انھیں یہیں پناہ ملتی تھی۔ وہ ان مہمانوں کی اس قدر خاطر مدارات کرتا تھا کہ وہ اپنی تکلیفیں بھول جاتے تھے اور ہر قسم کے آفات سے محفوظ رہتے تھے۔ کسی جن و بشر پر اس طرح مصیبت کا پہاڑ نہیں ٹوٹا۔"

میں طلوعِ آفتاب و غروبِ آفتاب کے وقت صخر کو یاد کرتی ہوں اگر میرے ارد گرد رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو یقیناً میں خودکشی کر لیتی۔ لیکن میں بہت سی عورتوں کو دیکھ رہی ہوں کہ وہ بھی اپنے منحوس دنوں پر نوحہ خوانی کر رہی ہیں۔ ایک عورت کو میں نے کل شام اپنے بھائی پر نوحہ کرتے دیکھا مگر یہ عورتیں میری طرح نہیں رو سکتیں (جس نے تمام عمر اشک باری میں ختم کر دی ہے) تاہم میں ان کے غم کو دیکھکر دل کو تسلی دے لیتی ہوں۔

"اے بھائی! خدا کی قسم میں تمہیں ہرگز نہ بھولوں گی تا آنکہ میری جان جائے اور میری قبر پھٹ جائے۔ ہائے افسوس! کیا میرا بھائی صبح و شام قبر ہی میں لیٹا رہے گا۔"

آخر میں یہ دکھیاری بہن سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہے ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اس بدنصیب خاتون نے تمام عمر اپنے بھائی کے فراق میں اشکباری کر کے گذاری۔ مگر رونے سے کیا ہوتا ہے صرف دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے ورنہ بقول عرفی ؎

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال میتواں بہ تمنا گریستن